عفت بانو :

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں: حالاتِ زندگی

(۱)

خاندانی پس منظر :

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نسباً یوسف زئی پٹھان ہیں۔ آپ کے آبا و اجداد اضلاع مغربی سے رام پور ہوتے ہوئے، ممالک متوسط (سی، پی۔ ہندوستان) کے قصبہ چھپارا (ضلع سیونی) میں آ کر آباد ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب کے پردادا کا نام امیر مولیٰ خاں تھا، جن کے تین بھائی اور تھے۔ یہ چاروں بھائی فن سپاہ گری کے ماہر تھے، نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ اپنی بہادری، دلیری اور شرافت کی بنا پر یہ حضرات اپنے گرد و نواح میں نہایت عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

سیونی میں نئی نئی انگریز عدالت قائم ہوئی تو ۶ ستمبر سنہ ۱۸۲۳ء سے ۶ دسمبر ۱۸۲۵ء تک Captain T. Wardlow وہاں کا کمشنر رہا، اس کے بعد ۶ دسمبر سنہ ۱۸۲۵ء سے J. Stephens اس عہدے پر فائز ہوا۔ اس کے زمانے میں ڈاکٹر صاحب کے پردادا امیر مولیٰ خاں کو کسی ہندو کے قتل کے سلسلے میں J. Stephens نے عدالت میں طلب کیا، تو وہ چاروں بھائی اس کی عدالت میں جا پہنچے۔ عدالت میں J. Stephens نے ان کے ساتھ کچھ سختی کا برتاؤ کیا، چنانچہ امیر مولیٰ خاں نے اس انگریز

کمشنر کو قتل کردیا ، اور انگریزوں کی مزاحمت پر چاروں بھائیوں نے انگریزوں اور ان کے حامیوں کا قلع قمع کردیا۔ یہ واقعات District Gazetteer (Seoni) میں درج ہیں۔ پھر ڈاکٹر صاحب کے یہ بزرگ وہاں سے قریب ۱۰۰ میل کے فاصلے پر جبل پور کے قریب قصبہ پناگر میں جاکر آباد ہوگئے۔ وہاں ان لوگوں نے پٹھانی محلہ آباد کیا۔ انھی دنوں دہلی سے ایک شیخ خاندان بھی وہاں آکر آباد ہوگیا۔ اس شیخ خاندان کی ایک خاتون سے ، ڈاکٹر صاحب کے پردادا ، امیر مولیٰ خاں کی شادی ہوئی۔ امیر مولیٰ خاں کے ہاں تین اولادیں ہوئیں، دو بیٹے اور ایک بیٹی۔ بیٹوں کے نام وزیر خاں اور (حافظ) موسیٰ خاں تھے۔ وزیر خاں ، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانصاحب کے دادا تھے۔ وزیر خاں کے ہاں تین بیٹے ہوئے جن میں سب سے بڑے کا نام گلاب خاں تھا۔ یہ نام ان کے غیر معمولی حسین ہونے کی وجہ سے ان کی والدہ نے رکھا تھا۔ وہ ڈاکٹر صاحب کے والد ماجد تھے۔ ان کی شادی سنہ ۱۸۹۶ء میں ہوئی ، چار اولادیں ہوئیں، ایک بیٹی اور تین بیٹے ، سب سے بڑے بیٹے کا نام نذیر احمد خاں ، اور منجھلے بیٹے کا نام عبدالرحمان خاں تھا ، اور سب سے چھوٹے ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ہیں۔

پیدائش اور ابتدائی زندگی :

ڈاکٹر صاحب دوشنبہ ۱۰ شوال المکرم سنہ ۱۳۳۰ھ مطابق ۲۳ ستمبر سنہ ۱۹۱۲ء کو فجر کی اذان کے وقت جبل پور میں پیدا ہوئے۔ اس وقت جب کہ آپ کی عمر صرف دو سال تھی، آپ کے والد شدید علیل ہوگئے۔ ان کی علالت کی بناء پر آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ رہا

تو ان کے اہل خانہ شدید مالی بحران کا شکار ہوگئے ، شروع میں تو غلام مصطفیٰ خانصاحب کی والدہ نے اپنا زیور وغیرہ بیچ کر گزارہ کیا ، مگر جب حالات اور بھی زیادہ خراب ہوگئے ، تو ڈاکٹر صاحب کے برادر بزرگ جناب نذیر احمد خان نے تعلیم ادھوری چھوڑ کر ملازمت کرلی ، تا کہ اپنے والدین اور بہن ، بھائیوں کی کفالت کر سکیں۔

والد کی علالت کی بناء پر ، ڈاکٹر صاحب کا بچپن کا زمانہ ، عسرت و تنگدستی میں بسر ہوا۔ ان دنوں جبکہ آپ کے والد علیل تھے آپ بھی مسلسل بیمار رہتے تھے تو آپ کی والدہ نے جو انتہائی صابر و شاکر خاتون تھیں ، آپ کو قرآن پاک پڑھنے کی ہدایت کی۔ والدہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے قرآن پاک پڑھنا شروع کردیا جس کی برکت سے آپ روبصحت ہوگئے۔ یہاں یہ بات خصوصیت سے قابل ذکر ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے قرآن پاک کے پہلے پارے کا کچھ حصہ اپنے بڑے بھائی صاحب سے پڑھا تھا ، پھر بقیہ قرآن پاک بغیر کسی استاد کی مدد کے آپ نے خود ہی مکمل کرلیا۔ اور بچپن ہی سے آپ کو نماز پڑھنے کی بھی توفیق حاصل ہوئی۔

ابتدائی تعلیم و تربیت :

کہتے ہیں ماں کی گود بچے کی پہلی تربیت گاہ ہوتی ہے۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ انسان کی شخصیت پر ثبت ہونے والے ابتدائی نقوش نہایت گہرے اور انمٹ ہوتے ہیں۔ ہر انسان ان اصول و اقدار کو اپناتا ہے جن کو اس کے بزرگوں نے اختیار کیا ہو۔ اگر ابتداً ہی سے اچھا ماحول میسر ہو تو انسان ایک نکھری ہوئی شخصیت کا مالک بنتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی ابتدائی تربیت نہایت پاکیزہ ماحول میں ہوئی، آپ کے والد، والدہ اور بڑے بھائی، غرضیکہ سبھی بزرگ سادگی، شرافت، اور غیرت و حمیت کا پیکر تھے۔ انھی بزرگوں کے زیر سایہ موصوف کی دل پذیر شخصیت کی نشو و نما ہوئی۔

ڈاکٹر صاحب کی والدہ محفوظ النساء بیگم، بڑی صابر و شاکر اور خوددار خاتون تھیں، اور اپنی پریشانیاں کبھی کسی قریبی عزیز پر بھی ظاہر نہ کرتی تھیں۔

اسی طرح ڈاکٹر صاحب کے والدِ ماجد، بھی بہت متقی اور پرہیزگار انسان تھے، خودداری اور قناعت کی صفات ان کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ یہاں ایک واقعے سے اُن کی خودداری کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، یہ واقعہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانصاحب نے "تاریخ آسلاف" میں، ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> "غالباً دسمبر ۱۹۲۲ء میں مجھے جبل پور کے (اتواری) بازار لے گئے، تو ان کے کسی دوست نے میرے بدن پر گرم کپڑا نہ ہونے کی وجہ سے ایک کوٹ خریدنے کا مشورہ دیا۔ اس زمانے میں پہلی جنگ عظیم کے کوٹ بازار میں بہت آئے تھے، ان ہی میں سے چھوٹے کوٹ تیار کیے جا رہے تھے۔ والد صاحب نے اپنے دوست سے فرمایا کہ اگر میرا لڑکا سردی سے ٹھٹھرتا ہے تو مجھے گوارا ہے لیکن مجھے یہ گوارا نہیں کہ وہ کسی (غیر مذہب والے) کا اتارا ہوا کپڑا پہنے"۔

یہی غیرت و حمیت، ڈاکٹر صاحب کے بڑے بھائی میں موجود تھی۔ والد کی علالت اور پھر ان کی وفات کے سبب، گھر والوں کی کفالت کی ذمے داری ان کے کاندھوں پر آ پڑی تو انھوں نے تعلیم ادھوری چھوڑ کر ملازمت اختیار کرلی اور حسن و خوبی کے ساتھ چھوٹی بہن اور بھائیوں کی پرورش و نگہداشت کا فریضہ انجام دیا اور ڈاکٹر صاحب کو تعلیم کے لیے علی گڑھ بھیجا۔ جب ڈاکٹر صاحب علی گڑھ میں تعلیم حاصل کر رہے تھے تو نذیر احمد خانصاحب اپنی آدھی تنخواہ، ڈاکٹر صاحب کو بھیج دیتے تھے اور بقیہ آدھی تنخواہ میں پورے گھر کا گذارہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ ڈاکٹر صاحب نے اسکول میں فیس کی معافی کی درخواست دینی چاہی تو انھوں نے سختی سے منع کر دیا اور فرمایا کہ ہرگز ایسی درخواست مت دینا، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھاری فیس معاف ہو جائے اور کوئی ایسا طالب علم جو تم سے زیادہ مستحق ہو، اس کی حق تلفی ہو جائے۔

غرضیکہ ایسے دیندار اور خوددار بزرگوں کے زیر سایہ ڈاکٹر صاحب نے تربیت حاصل کی۔ اگرچہ والد کا سایہ کمسنی میں ہی آپ کے سر سے اٹھ گیا تھا مگر بڑے بھائی نے اپنی شفقت و محبت سے اس خلا کو پر کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ ڈاکٹر صاحب کی خوش قسمتی تھی کہ انھوں نے اپنی والدہ کی (جو عرصے تک بقید حیات رہیں) اور اپنے عزیزوں کی حتی الامکان خدمت کی۔

تعلیم :

ڈاکٹر صاحب کو تعلیم حاصل کرنے کا شروع ہی سے بڑا شوق تھا کہ خود ہی اسکول میں داخلہ لینے چلے گئے، اور پھر باقاعدگی سے اسکول جانا شروع کردیا۔ سنہ ۱۹۲۳ء میں آپ نے

پانچویں جماعت کا امتحان دیا ۔ جس میں آپ نے پورے شہر میں اول پوزیشن حاصل کی، اور چار سال تک کے لیے وظیفہ حاصل کیا۔ آپ نے نویں جماعت تک جبل پور میں تعلیم حاصل کی، اس کے بعد علی گڑھ میں داخلہ لیا تاکہ وہاں اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکیں۔

ڈاکٹر صاحب نے، چونکہ نویں جماعت کا امتحان جبل پور سے دیا تھا اس لیے علی گڑھ میں، آپ کو نویں اور دسویں دونوں جماعتوں کے نصاب کے متعلق امتحان ایک ہی سال میں دینا پڑا، اور بفضلہٖ تعالیٰ بہت اچھے نمبروں سے ہائی اسکول (میٹرک) کا امتحان پاس کیا، میٹرک کے بعد انٹرمیڈیٹ میں آپ کے اختیاری مضامین، فارسی، جغرافیہ اور تاریخ (تاریخ اسلام اور تاریخ آلِ عثمان) تھے ۔ بی اے کے اختیاری مضامین، فارسی اور تاریخ (تاریخِ ہند، تاریخِ اسلام، تاریخِ آلِ عثمان) تھے۔ پھر علی گڑھ ہی سے آپ نے سنہ ۱۹۳۵ء میں ایم اے (فارسی) اور دوسرے سال ایم اے (اردو) پاس کیا ۔ ایل ایل بی بھی ساتھ ہی پاس کیا۔

علی گڑھ میں انگریزی کا نصاب خاصا بلند تھا ۔ طلبہ کو بھی انگریزی سے خاص شغف تھا۔ آپ نے بھی بکثرت انگریزی مصنفین کی کتابیں پڑھی تھیں۔ اسی شوق کی بنیاد پر آپ نے طالب علمی کے زمانے میں حضور انور صلّی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پر ایک کتاب لکھی تھی۔ اسی طرح چاروں خلفائے راشدین رضہ کے متعلق ایک ایک کتاب لکھی تھی۔ افسوس کہ یہ کتابیں ہندوستان ہی میں رہ گئیں۔ اسی زمانے میں نیویارک سے بہائیوں نے ایک انعامی مضمون، تمام دنیا کے لوگوں سے لکھوایا تھا۔ اس کا عنوان تھا:-

How can youth contribute to the realization of a Universal religion?

اس موضوع پر آپ نے بھائیوں کے خلاف فارسی میں ایک مقالہ لکھا تھا جس پر بھائیوں نے انعام تو نہیں دیا لیکن بہت سراہا تھا۔ افسوس کہ یہ مقالہ بھی ہندوستان میں رہ گیا۔ یہ آپ کی ابتدائی تحریریں تھیں۔

اساتذہ :-

علی گڑھ میں تعلیم کے دوران، ڈاکٹر صاحب نے جن اساتذۂ کرام سے خصوصی طور پر استفادہ کیا، ان میں قاری ضیاء الدین احمد، مولانا ابوبکر محمد شیث جونپوری، مولانا سلیمان اشرف، مولانا احسن مارہروی، ڈاکٹر ہادی حسن، مولانا ضیاء احمد بدایونی، حاجی حمیداللہ خاں کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں اور نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی سے اُن کی خدمت میں ذاتی طور پر استفادہ کیا۔

اُستاذ الہند قاری ضیاءالدین احمد الٰہ آبادی نے آپ کو عربی اور تجوید، نیز قرأتِ سبعہ پڑھائی۔

مولانا ابوبکر محمد شیث جونپوری اور مولانا سید سلیمان اشرف نے عربی اور تفسیر پڑھائی، ایل ایل بی کی جماعتوں میں مولانا عبدالخالق، اور بیرسٹر خسرو اسحاق اور بیرسٹر خواجہ اسحٰق آپ کے بہت مہربان اساتذہ تھے۔

ڈاکٹر صاحب سے جب میں نے یہ سوال کیا کہ "اپنے اساتذہ میں آپ کس استاد سے زیادہ متاثر ہوئے؟" تو آپ نے فرمایا کہ :

> "میرے تمام استاد میرے لیے یکساں اہمیت رکھتے ہیں، اور وہ سب قابلِ احترام تھے"

میرے بہت اصرار پر ڈاکٹر صاحب نے ان چار، پانچ ہستیوں کے نام لیے، جن سے وہ زیادہ متاثر ہوئے، ان میں قاری ضیاءالدین الہ آبادی، پروفیسر ضیاء احمد بدایونی، مولانا سلیمان اشرف، مولانا احسن مارہروی، مولانا ابوبکر شیث جونپوری اور نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی شامل ہیں، اور مزید فرمایا کہ:

"ان اساتذہ سے میرا معاملہ باپ بیٹے کا سا تھا، ایسے لوگ اب دیکھنے میں نہیں آتے، وہ لوگ علم اور خلوص و تقویٰ میں بھی بے مثال تھے"۔

مولانا ابوبکر محمد شیث جونپوری کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ:

"مولانا ابوبکر اگرچہ عربی کا درس دیتے تھے، مگر اپنے حجرے میں طلبہ کو مسلم لا Muslim Law پڑھایا کرتے تھے۔

پروفیسر ضیاء احمد بدایونی، اگرچہ فارسی کے استاد تھے، مگر عربی کے بھی عالم تھے، وہ اگرچہ ڈاکٹر نہ تھے، مگر ہمارے ڈاکٹر صاحب کے پی ایچ ڈی کے مقالے کے اصل نگراں وہی تھے۔

بقول ڈاکٹر صاحب "ہمارے استاد ایسے تھے، جن کے بارے میں مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ کون سا علم تھا، جو انہیں نہیں آتا تھا"۔

غیر نصابی سرگرمیاں:

ڈاکٹر صاحب کی غیر نصابی سرگرمیاں بھی زیادہ تر علم و ادب ہی سے متعلق تھیں۔ انگریزی کتابوں کا مطالعہ ڈاکٹر صاحب کا خاص مشغلہ تھا۔ مطالعہ کتب کے علاوہ ورزش اور مردانہ کھیلوں

مثلاً تلوار چلانے اور بنوٹ وغیرہ سے بھی آپ کو خاصا شغف تھا۔

عملی زندگی :

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خانصاحب نے سنہ ۱۹۳۶ء میں تعلیم مکمل کی، اور علی گڑھ سے واپس جبل پور آ گئے، یہاں چونکہ معاش کا کوئی سلسلہ نہ تھا، اس لیے کچھ عرصے تک مالی پریشانی کا شکار رہے۔ مگر جلد ہی اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہوا، اور کچھ ماہ کے بعد پبلک سروس کمیشن ناگپور نے درخواستیں طلب کیں اور سنہ ۱۹۳۷ء میں آپکا انٹرویو لے کر "کنگ ایڈورڈ کالج، امراوتی" میں آپکا تقرر کردیا۔ یہاں آپ نے ۱۵ جولائی سنہ ۱۹۳۵ء سے کام شروع کیا، اور دس سال تک یہاں درس و تدریس کے فرائض انجام دیے۔ اسی زمانے میں آپ کو ناگ پور یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کا صدر مقرر کیا گیا، اور اسی زمانے میں ناگپور یونیورسٹی کورٹ اور علی گڑھ یونیورسٹی کورٹ کے ممبر بھی منتخب ہوئے۔ ناگپور یونیورسٹی میں آپ نے قریب آٹھ برس کے طویل عرصے تک شعبۂ اردو کے صدر کی حیثیت سے اپنے فرایض انجام دیے، کنگ ایڈورڈ کالج کے بعد آپکا تبادلہ ناگ پور کے مارس کالج میں ہوگیا۔ اس عرصے میں درس و تدریس کے فرایض انجام دینے کے ساتھ، ڈاکٹر صاحب نے تحقیق کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور سنہ ۱۹۴۶ء میں فارسی کے مشہور شاعر سید حسن غزنوی پر مقالہ لکھ کر پی۔ ایچ ڈی۔ کی ڈگری حاصل کی۔

اگست سنہ ۱۹۴۷ء جب پاکستان معرض وجود میں آیا، تو ڈاکٹر صاحب کے برادر بزرگ جناب نذیراحمد خان نے اپنا تبادلہ، جبل پور سے کراچی کروالیا، اور اپنی والدہ اور عزیزوں کو نیز

ڈاکٹر صاحب کے بچوں کو لے کر پاکستان آگئے ۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب ہندوستان ہی میں تھے۔ کچھ ماہ بعد یعنی نومبر ۱۹۴۷ء میں ، ڈاکٹر صاحب پہلی مرتبہ پاکستان آئے۔ یہاں آنے کے چند روز بعد آپ کا شیرخوار بچہ فوت ہوگیا ، اور بچے کی وفات کے چار روز بعد ، یعنی ۲۸ نومبر سنہ ۱۹۴۷ء کو آپ کی اہلیہ بھی انتقال کرگئیں۔ دسمبر ۱۹۴۷ء میں ڈاکٹر صاحب واپس ہندوستان چلے گئے ، کیونکہ آپ کی ملازمت کا سلسلہ وہیں تھا ، لیکن کراچی میں ہی ڈاکٹر صاحب کے بڑے صاحبزادے سراج احمد خاں ، بہت بیمار ہوگئے ، چنانچہ مستقل طور پر پاکستان آنے کا فیصلہ کرلیا، اور گیارہ سال کی gazetted post ترک کرکے سنہ ۱۹۴۸ء کی ابتدا ہی میں کراچی آگئے۔ یہاں آنے کے کچھ عرصے بعد ، جب کراچی میں اسلامیہ کالج قائم ہوا، تو وہاں آپ کا تقرر ہوگیا ۔ اسلامیہ کالج میں آپ نے تقریباً دو سال تک کام کیا، پھر ڈاکٹر عبدالحق صاحب نے آپ کو اردو کالج میں صدر شعبۂ اردو کی حیثیت سے بلوالیا ۔ وہاں تقریباً چھے سال تک کام کیا ، اس کے بعد ایک سال تک کراچی یونیورسٹی سے بھی صدر شعبۂ اردو کی حیثیت سے منسلک رہے ۔ سنہ ۱۹۵۶ء میں سندھ یونیورسٹی نے آپ کی خدمات حاصل کیں ، یہاں بھی بحیثیت صدر شعبۂ اردو آپکا تقرر ہوا ، اس یونیورسٹی میں آپ نے کامل بیس ۲۰ برس تک درس و تدریس کے فرایض انجام دیے ۔ ۱۹۷۲ء میں ساٹھ برس کی عمر کو پہنچنے کے بعد مزید چار برس کی توسیع مدت ملازمت میں عمل میں آئی ۔ ۱۹۷۶ء میں آپ ملازمت سے کاملاً سبکدوش ہو گئے ، مگر آپ کی علمی و تحقیقی سرگرمیاں تا حال جاری ہیں۔ سنہ ۱۹۸۸ء میں سندھ یونیورسٹی نے آپ کی نمایاں علمی و تحقیقی خدمات کے اعتراف کے طور پر پروفیسر

ایمریطس کے درجے پر فائز کیا۔ اس حیثیت میں سندھ یونیورسٹی میں ڈاکٹر صاحب کا علمی فیضان آج بھی تسلسل و تواتر کے ساتھ جاری ہے اور باوجود پیرانہ سالی کے، تصنیف و تالیف کے کاموں میں خود بھی منہمک ہیں اور اسکالر صاحبان کے تحقیقی کاموں کی نگرانی کر رہے ہیں۔

آل و اولاد:

۱۴ اکتوبر سنہ ۱۹۳۶ء کو ڈاکٹر صاحب کا عقد، آپ کے ماموں جناب عبدالمجید خانصاحب کی صاحبزادی سے ہوا، ان سے ایک صاحبزادی اور دو صاحبزادے سراج احمد خان اور ظفراحمد خان، ماشا اللہ بقیدِ حیات ہیں، سراج احمد خانصاحب نے سندھ یونیورسٹی سے، اسلامیات میں ڈاکٹریٹ کیا ہے۔ حبیب بینک میں منیجر ہیں، دوسرے صاحبزادے ظفراحمد خان مجذوب الحال ہیں۔ انھوں نے چند پارے حفظ کیے ہیں، کنیز فاطمہ (ھاجرہ) نے درجہ اول میں بی۔ اے پاس کیا ہے، اب وہ ایک گھریلو خاتون ہیں۔ ان کے شوہر پروفیسر ایازالدین صاحب گورنمنٹ کالج، حیدرآباد سندھ میں ریاضی کے استاد ہیں۔

۲۸ نومبر سنہ ۱۹۴۷ء کو ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ محترمہ انتقال کر گئیں، چنانچہ ۳۰ اگست سنہ ۱۹۴۹ء کو وکیل عبدالمجید کی بڑی صاحبزادی سے آپکا عقدثانی ہوا۔ ان خاتون سے دو صاحبزادیاں سعدیہ (بی۔ ایس۔ سی) اور صفیہ (بی۔ اے) ماشاأللہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے اپنے گھر آباد ہیں۔

شخصیت:

ڈاکٹر صاحب طالب علموں میں "اقبال کے مردِ مومن" کے نام سے مشہور تھے۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد، ڈاکٹر صاحب

کے شاگرد ہیں؛ انھوں نے ڈاکٹر صاحب کے بارے میں لکھا ہے کہ :

"استادِ محترم اپنے شاگردوں پر بڑے شفیق ہیں۔ راقم الحروف پر استادِ محترم نے بڑا ہی کرم فرمایا۔ ان کی شفقت بے پایاں کا کیا ذکر کیا جائے۔ ایک واقعہ عرض کرتا ہوں جو ہمارے اساتذہ کے لیے درسِ عظیم ہے۔ یہ احقر غالباً ایم اے سالِ اول میں تھا۔ ایک مرتبہ فیس کے لیے کچھ روپیوں کی ضرورت ہوئی۔ استادِ محترم سے عرض کیا کہ عنایت فرمادیں، جب آئیں گے پیش کر دیے جائیں گے۔ آپ نے اپنی پوری تنخواہ جو ایک ہزار سے زیادہ تھی راقم کے سامنے رکھ دی اور فرمایا۔ حضرت جتنے روپے چاہیں لے لیں۔ راقم کو صرف سو روپوں کی ضرورت تھی۔ وہ لے لیے، مگر آپ اصرار فرماتے رہے کہ اور لے لیں۔"

ڈاکٹر صاحب کا ہمدردانہ سلوک صرف اپنے طالب علموں تک ہی محدود نہیں، آپ کی محبت و شفقت، سب کے ساتھ یکساں ہے، جو شخص آپ سے پہلی مرتبہ ملتا ہے، اسے یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ پہلی ملاقات ہے، بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ برسوں کی جان پہچان ہے۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت تکلف و تصنع سے پاک ہے، آپ سب سے دل خلوص اور ہمدردی سے ملتے ہیں۔ سادگی ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کی نمایاں خصوصیت ہے، یہ سادگی آپ کے لباس، طرزِ زندگی، اندازِ گفتگو، انداز تحریر میں بھی پائی جاتی ہے۔ منکسر المزاجی اور حلیم الطبعی، ڈاکٹر صاحب

کی طبیعت کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ آپ کے انکسار کا اندازہ؛ آپ کی تحریر سے بھی بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ باوجود اس کے کہ اتنے بلند پایہ عالم و محقق ہیں، مگر آپ نے کبھی اپنی لیاقت اور قابلیت کا دعویٰ نہیں کیا، اور نہ آپ دوسروں پر تنقید کرنا پسند فرماتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب قبلہ کو حصولِ شہرت سے کوئی دلچسپی نہیں، بلکہ آپ گوشہ گیری اور گمنامی کی زندگی کو پسند فرماتے ہیں؛ اسی لیے آپ نے اپنی تعلیم، قابلیت اور لیاقت کو کبھی شہرت کے حصول کے لیے استعمال نہیں کیا۔

ڈاکٹر صاحب کی شخصیت یقیناً منفرد ہے، آپ نہ صرف ایک جید عالم، قابل قدر دانشور، زبردست محقق اور بلند پایہ ادیب ہیں؛ بلکہ ان گونا گوں خصوصیات کے ساتھ ایک روحانی مرتبہ بھی رکھتے ہیں۔ آپ کے حلقہ ادارت میں معتقدین کی کثیر تعداد ہے جو ہر صوبے سے تعلق رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے دروازے پر ہمیشہ حاجت مندوں کا تانتا بندھا رہتا ہے، کوئی دعا کروانا چاہتا ہے، کسی کو تعویذ کی ضرورت ہوتی ہے، اور کوئی دم کروانا چاہتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب، اپنی علمی و ادبی مصروفیات کے باوجود، سب کی بات نہایت خندہ پیشانی سے سنتے ہیں، اور سب کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ڈاکٹر صاحب کا کمال یہ ہے کہ آپ تصنیف و تحقیق کا کام بھی جاری رکھتے ہیں، اور لوگوں سے ملنے جلنے کا بھی۔ آپ کے ہاں کسی پر کوئی پابندی نہیں، نہ ملاقات کا کوئی وقت مقرر ہے، نہ پہلے اطلاع دینے کی ضرورت، جو شخص جس وقت چاہے، آپ کے پاس آکر اپنا مدعا بیان کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب بغیر کسی جھنجھلاہٹ یا ناراضی

کے ، سب کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرتے ھیں۔

علمی خدمات :

ڈاکٹر صاحب کی تصنیفات و تالیفات بیشتر تحقیقی نوعیت کی ھیں ، یوں تو آپ نے ترتیب و تدوین بھی کی ھے ، اور تبصرے اور تنقیدی نوعیت کے مضامین بھی لکھے ھیں ، مگر آپ کا اصل میدان تحقیق ھے ، آپ پاکستان کے بلند پایہ عالم و محقق ھیں۔

ڈاکٹر صاحب اپنے لیے سب سے بڑا اعزاز یہ سمجھتے ھیں کہ علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب " نقوشِ سلیمانی " (دوسرا ایڈیشن) میں چار مقامات پر آن کا حوالہ دیا ھے۔ Pearson's Index Islamicus (Cambridge, 1958) میں متعدد مقامات میں ان کے مقالات کا ذکر ھے اور مختلف فضلاء نے اپنی کتابوں میں ان کا حوالہ دیا ھے۔

ڈاکٹر صاحب کی تصنیفات اور تالیفات کا مختصر تعارف یہاں پیش کیا جاتا ھے :-

(۱) سید حسن غزنوی (م سنہ ۵۵۶ھ) - اس شاعر پر کام کرنے کے لیے آن کے اُستاد پروفیسر ضیاء احمد بدایونی مرحوم نے مشورہ دیا تھا۔ اس شاعر کے ایک ترجیع بند کا یہ شعر بہت مشہور ھے :-

سلّموا یا قوم بل صلّوا علی الصدرالامین
مصطفٰے ماجاءَ الاّ رحمۃً للعالمین

اس شاعر کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لیے ڈاکٹر صاحب نے بڑی تگ ودو کی۔ لندن اور پیرس سے اُس کے دیوان کا عکس منگوایا۔ علی گڑھ ، حبیب گنج ، رام پور ، بانکی پور ،

لاہور، بھوپال، لکھنؤ، حیدرآباد (دکن) کے کتب خانوں کے مخطوطات کا مطالعہ کیا۔ بلکہ چھوٹے چھوٹے مقامات کے ذاتی کتب خانے بھی دیکھے، مثلاً کاکوری، بریلی، اٹاوہ، ریواں، ایلچپور وغیرہ۔ اس سلسلے میں شاعر کے معاصرین کا کلام بھی زیر مطالعہ رہا۔ چنانچہ مختلف رسائل میں ان معاصرین پر بھی مضامین لکھے۔ مثلاً معارف (عظم گڑھ)، اورینٹل کالج میگزین، اردو (انجمن ترقی اردو)، اسلامک کلچر (انگریزی)، ناگ پور یونیورسٹی کا سالانہ جرنل (انگریزی) وغیرہ میں سنہ ۱۹۴۰ع سے وہ مضامین شائع ہونا شروع ہوئے۔ شاعر پر مقالہ سنہ ۱۹۴۶ع میں مکمل ہوگیا تھا۔ یہ مقالہ اورینٹل کالج میگزین (لاہور) کے ضمیمے میں مسلسل شائع ہوتا رہا۔

(۲) تاریخ بہرام شاہ غزنوی (انگریزی)۔ یہ تاریخ سید حسن غزنوی اور ان کے معاصرین کے کلام کی داخلی شہادتوں کی بناء پر تیار ہوئی۔ لاہور سے سنہ ۱۹۵۵ع میں شائع ہوئی۔

(۳) چند فارسی شعراء — یہ کتاب گو کہ اب مکمل صورت میں شائع ہوئی ہے لیکن سید حسن غزنوی کے سلسلے کے شعراء کا تحقیقی مطالعہ ہے۔ بعد میں کچھ اور شعراء بھی شامل کردیے ہیں۔ اب یہ مجموعہ سنہ ۱۹۸۹ع میں شائع ہوگیا ہے۔

(۴) فارسی پر اردو کا اثر — یہ کتاب بھی مذکورہ بالا شعراء اور ان کے بعد والے شعراء کے مطالعے کی بناء پر تیار ہوئی۔ یعنی ان شعراء اور بعض مصنفین کی تصانیف میں جو الفاظ اردو یا اردو نما فارسی کے استعمال ہوئے ہیں ان کو اکٹھا

کیا گیا ہے۔ سنہ ۱۹۵۲ع میں پھر سنہ ۱۹۶۱ع میں شائع ہوئی۔

(۵) مکتوباتِ شاہ احمد سعید دہلوی — یہ نایاب مکتوبات پہلی بار سنہ ۱۹۵۵ع میں مرتب ہوئے۔

(۶) ارشادِ رحیمیہ — شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی کے والد کی تصنیف مع ترجمہ۔ سنہ ۱۹۵۶ع میں شائع ہوئی۔

(۷) ہدایت الطالبین — شاہ ابو سعید دہلوی رحہ کی کتاب (تصوف سے متعلق) مع اردو ترجمہ — سنہ ۱۹۵۶ع میں۔ پھر سنہ ۱۹۶۶ع میں شائع ہوئی۔

(۸) حالی کا ذہنی ارتقاء — مولانا حالی کے علمی اور ادبی کارناموں کا سال بہ سال جائزہ — سنہ ۱۹۵۶ع میں۔ پھر سنہ ۱۹۶۶ع میں شائع ہوئی۔

(۹) علمی نقوش — تحقیقی مقالات کا مجموعہ۔ سنہ ۱۹۵۷ع میں شائع ہوا۔

(۱۰) رسائل مشاہیر نقشبندیہ — یہ نایاب اور نادر رسالے پہلی بار سنہ ۱۹۵۸ع میں شائع ہوئے۔

(۱۱) ملفوظاتِ اکابرِ نقشبندیہ — یہ بھی نایاب اور نادر تھے۔ تلاش کے بعد پہلی بار سنہ ۱۹۵۹ع میں شائع ہوئے۔

(۱۲) ادبی جائزے — مختلف ادبی مضامین۔ ۱۹۵۹ع میں شائع ہوئے۔

(۱۳) دیوانِ روشن سرہندی رحہ — پہلی بار سنہ ۱۹۶۱ع میں مرتب ہوا۔

(۱۴) تفسیر مولانا عبیداللہ سندھی رحہ — قرآن پاک کے آخری پارے کی تفسیر بہت محنت سے مرتب ہوئی۔ سنہ ۱۹۵۹ع۔

(۱۵) سندھی۔ اردو لغت ۱۹۵۹ء ڈاکٹر نبی بخش بلوچ صاحب کے تعاون سے مرتب ہوئیں۔

(۱۶) اردو۔ سندھی لغت ۱۹۶۰ء

(۱۷) انتخابِ مکتوبات — حضرت مجددِ الف ثانی رحم کے مکتوبات کا انتخاب (اور ترجم)۔ سنہ ۱۹۶۱ء اور سنہ ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا۔

(۱۸) سوانح امیر کلال بخاری رحم۔ یہ نایاب فارسی رسالا سنہ ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا۔

(۱۹) تحریر و تقریر۔ تنقیدی مضامین کا مجموعہ۔ سنہ ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔

(۲۰) دیوان عظیم تتوی۔ فارسی شاعر کا دیوان۔ تصیح و تقابل کے ساتھ سنہ ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔

(۲۱) ترجم ، قرآن مجید۔ حضرت مخدوم نوح ہالائی رحم کے فارسی ترجمے کا پہلا پارہ پہلی بار سنہ ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔

(۲۲) اثبات النبوہ۔ حضرت مجدد الف ثانی رحم کا عربی رسالہ جو پہلی بار شائع ہوا۔ مختلف کتب خانوں کے مخطوطات سے (مع ترجم) مرتب ہوا۔ سنہ ۱۹۱۳ء میں کراچی سے پھر ترکی سے شائع ہوا۔

(۲۳) مکتوبات شاہ محمد نقشبند سرہندی رحم (وسیلۃ القبول)۔ نایاب مکتوبات۔ دو حصے۔ ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئے۔

(۲۴) رسالہ تہلیلیہ۔ حضرت مجدد رحم کا عربی رسالہ۔ پہلے بار (مع ترجم) سنہ ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔

(۲۵) رد روافض۔ حضرت مجدد رحم کا فارسی رسالہ (مع ترجم)۔

پہلی بار سنہ ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ پھر ترکی اور کراچی سے مختلف ناموں سے شائع ہوا۔

(۲۶) مکاشفات عینیہ حضرت مجدد رحہ کے ملفوظات اور مکاشفات۔ پہلی بار (مع ترجمہ) سنہ ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئے۔

(۲۷) مجدد الف ثانی رحہ۔ تحقیقی جائزہ۔ ایک معترض کے جواب میں سنہ ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔

(۲۸) ضیاءالقرأت۔ حضرت قاری ضیاء الدین احمد رحہ کی کتاب جو عرصے سے نایاب تھی۔ سنہ ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی۔

(۲۹) سعیدالبیان۔ شاہ احمد سعید دھلوی رحہ کی کتاب (حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم سے متعلق)۔ سنہ ۱۹۲۵ء۔

(۳۰) مجمع البحرین۔ ملا پاینده محمد رحہ کا نایاب نادر رسالہ (صنعت توشیح) سنہ ۱۹۶۵ء۔

(۳۱) تاریخ اسلاف۔ خاندانی حالات سنہ ۱۹۶۵ء

(۳۲) مکتوبات خواجہ عبدالاحد سرہندی رحہ۔ نایاب و نادر تھے۔ سنہ ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئے۔

(۳۳) مسائل اربعین۔ شاہ احمد سعید دھلوی رحہ نے مختلف اختلافی مسائل پر بحث فرمائی ہو۔ سنہ ۱۹۶۶ء۔

(۳۴) قرآنی عربی۔ عربی صرف و نحو پر آسان کتاب۔ سنہ ۱۹۶۶ء سنہ ۱۹۷۱ء سنہ ۱۹۷۶ء سنہ ۱۹۸۵ء میں شائع ہوتی رہی۔

(۳۵) مکتوبات خواجہ سیف الدین سرہندی رحہ نایاب و نادر مکتوبات پہلی بار سنہ ۱۹۶۸ء میں شائع ہوئے۔

(۳۶) وصال احمدی۔ حضرت مجدد رحہ کے آخری ایام۔ خواجہ بدرالدین سرہندی رحہ کا اہم رسالہ (مع ترجمہ) سنہ ۱۸۶۸ء۔

(۳۷) تحقیقی جائزے۔ فن تحقیق اور دوسرے تحقیقی مضامین۔ سنہ ۱۹۶۸ء۔

(۳۸) رسالۂ سلوک۔ میر محمد نعمان رحم کا نایاب رسالہ۔ سنہ ۱۹۶۹ء۔

(۳۹) جامع القواعد (حصۂ نحو)۔ (ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کے تعاون سے) سنہ ۱۹۷۲ء۔

(۴۰) برصغیر میں فارسی ادب (انگریزی)، ۱۹۷۲ء۔

(۴۱) مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رحم (تین دفتر)۔ عرصے سے نایاب تھے۔ سنہ ۱۹۷۳ء۔

(۴۲) مکتوبات خواجہ محمد عبداللہ سرہندی رحم (کابل سے مخطوطہ حاصل کیا) سنہ ۱۹۷۴ء۔

(۴۳) مکتوبات مدرسۂ دیر (حضرت مظہر جان جاناں رحم اور ان کے سلسلے والوں کے نایاب و نادر مکتوبات۔ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب کے تعاون سے) ۱۹۷۵ء۔

(۴۴) ندائے سحر (ریڈیائی تقریریں) سنہ ۱۹۷۵ء ۱۹۷۶ء پھر سنہ ۱۹۸۸ء۔

(۴۵) مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی رحم (تین دفتر)۔ پہلی بار سنہ ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئے۔

(۴۶) سبیل الرشاد۔ حضرت خواجہ عبدالاحد سرہندی رحم کا نایاب رسالہ۔ پہلی بار سنہ ۱۹۷۶ء میں شائع ہوا۔

(۴۷) اقبال اور قرآن۔ علامہ اقبال پر سنہ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۸۱ء تک سب سے اچھی کتاب قرار دی گئی۔ سنہ ۱۹۷۷ء میں اقبال اکیڈمی لاہور نے پہلی بار شائع کی۔ پھر سنہ ۱۹۸۸ء میں دوسری بار۔ ۱۰۹۹ صفحات ہیں۔ اس کتاب پر حکومت نے نقد انعام اور طلائی تمغا دیا۔

(۴۸) معارف اقبال - علامہ اقبال سے متعلق مختلف مضامین سنہ ۱۹۷۸ء -

(۴۹) تفسیر شیخ الہند محمود حسن کے پہلے دو پاروں کا انگریزی ترجمہ سنہ ۱۹۷۹ء -

(۵۰) اردو میں قرآن و حدیث کے محاورات - سنہ ۱۹۸۰ء -

(۵۱) مولانا عبداللہ سندھی کی سرگشت کابل - سنہ ۱۹۸۱ء -

(۵۲) حضرات القدس (اردو ترجمہ مع حواشی) - سنہ ۱۹۸۲ء -

(۵۳) مطالب القرآن (پورے قرآن پاک کا خلاصہ - سنہ ۱۹۸۲ء -

(۵۴) ہم قرآن در شان محمد (نقوش لاہور کے سیرت نمبر میں شائع ہوا - پھر الگ کتابی صورت میں شائع ہوا) - انعام دیا گیا سنہ ۱۹۸۳ء -

(۵۵) ہمارا علم و ادب سنہ ۱۹۸۵ء -

(۵۶) زبدۃ المقامات (اردو ترجمہ مع حواشی) سنہ ۱۴۰۷ھ ۱۹۸۷ء -

(۵۷) ثقافتی اردو (طویل مضمون - سنہ ۱۹۶۱ء میں انعام دیا گیا) ۱۹۸۹ء میں مقتدرہ قومی زبان (اسلام آباد) نے پھر شائع کیا -

(۵۸) وقائع تاریخی - قطعات تاریخ کا مجموعہ سنہ ۱۴۰۸ھ ۱۹۸۸ء -

(۵۹) چند فارسی شعرا ، (جس کا ذکر نمبر تین میں آچکا ہے) اضافوں کے ساتھ سنہ ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا -

(۶۰) باقیات باقی رحہ (حضرت خواجہ باقی باللہ رحہ سے متعلق تحقیقی کتاب) ۱۹۹۰ء -

(۶۱) "Studies in Literature" (انگریزی مقالات کا مجموعہ) سنہ ۱۹۹۰ء -

(الف) چند دیگر ترجمے :

علامہ سیوطی رحہ اور علم لغت - رسالہ اردو نامہ - کراچی سنہ ۱۹۶۲ء -

ادارہ ، تحقیقات اسلامیہ ۔ اسلام آباد سنہ ۱۹۸۳ء ۔

(۱) مسائل اللحلیہ

(۲) حکم اللحوم المستوردہ

(۳) تنبیہات علی ان جدہ لیست میقاتاً

(۴) امر بالمعروف و نہی عن المنکر (علامہ تیمیہ رحم)

ادارۂ تحقیقات اسلامی ۔ اسلام آباد ، ۱۹۸۳ء ۔

(ب) بڑے مقالے :

بابائے اردو کی اردو ۔ رسالہ اردو ۔ کراچی

عبدالعزیز خالد کی شاعری ۔ رسالہ سیارہ ۔ لاہور سنہ ۱۹۶۵ء

(ج) چھوٹے رسالے :

(۱) مذہبی رواداری (تعلیم بالغان کے لیے) ۔ جامعہ ملیہ ۔ ملیر ۔ کراچی ۔

(۲) سراج منیر رحم ۱۹۸۱ء ۔ (صدیقی ٹرسٹ ۔ کراچی)

(۳) قرآن و حدیث کے بدائع و صنائع (" " ")

برصغیر کے متعدد رسائل میں مضامین شائع ہوئے ہیں اور انسائیکلوپیڈیا (لاہور ، تہران) میں بھی مقالات شامل ہیں۔